AL-‘MUSLIM https://almuslim.pk/about-the-journal

(Jan-June-2025), 2:1(79-92)

فقہ حنبلی (عبادات و معاملات) میں عرف و عادت کا تخصیصی مطالعہ

A Focused Study of Customs and Habits in Hanbali Jurisprudence.

***Farukh Sawar Khushali**
Visiting Lecturer, University of Chakwal

Keywords:
Islamic Sharia, Principles, Hanbali, custom and habit, Uarf

Farukh Sawar Khushali, (2025).
A Focused Study of Customs and Habits in Hanbali Jurisprudence, *Al-‘Muslim Research Journal of Social Sciences 2(1).*

Corresponding author: nahvi92@gmail.com

Abstract: The Islamic Sharia is superior to all laws because of its perfection, because all the rules, principles and ideas that may be needed in a complete law are present in the Islamic Sharia and the base of the Sharia is full of all these principles and ideas, the Qur'an and the Sunnah. The rulings mentioned in, are of two types, one is in which the method of action is described in clear words, the other type of rulings are those in which only principles and objectives are explained, the other types are In the rulings, human thought and action are also considered as a source of Sharia law and these sources are valid for all jurists, whether they are Hanafi, Shafi, Maliki Hanbali, whether it is the individual action of an individual or some individuals. Be it, which is called Qiyas and Ijtihad, or the words and deeds of the people, which are defined as custom and habit. It has been considered reliable, but sometimes the interpretations mentioned in the Book and Sunnah are also explained by Uarf and custom''. With the change of, it is also necessary to change.

Content from this work is copyrighted by *Al-‘Muslim Journal of Social Sciences*, which permits restricted commercial use, research uses only, provided the original author and source are credited in the form of a proper scientific referencing.

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور شریعت اسلامیہ کو اپنی وسعت کی بنا پر تمام شرائع اور دنیا بھر کے تمام مجموعہ ہائے قوانین پر برتری اور فوقیت حاصل ہے۔اسلامی شریعت کی یہ خصوصیت ہے کہ ایک جامع قانون کی تشکیل کے لیے جس قدر اصول و قواعد اور نظریات کی ضرورت ہو سکتی ہے وہ سب شریعت اسلامیہ میں موجود ہیں۔ شریعتِ اسلامیہ میں کا دامن ان تمام اصول و نظریات سے بھرا ہوا ہے جو مستقبل قریب یا بعید میں انسانیت کی ضروریات کی تکمیل کے لیے کار آمد ہو سکتے ہیں اس کے قواعد میں رفعت ہے۔انسانی زندگی کا معیار خواہ کتنا ہی بلند کیوں نہ ہو جائے شریعت اسلامیہ میں ایسے اصول و نظریات موجود ہیں جو اس کی رفعت کو ہمیشہ محفوظ رکھیں گے۔یہ شریعت ثابت ہے اور مستقل ہے اور اس میں ہیشگی کی صفت موجود ہے خواہ کتنا ہی طویل دور کیوں نہ گزر جائے اس کی دفعات میں کوئی تبدیلی اور تغیر نہیں آتا مگر اس عدم تغیر کے باوجود شریعت ہر دور کے لائق اور مناسب ہے۔شریعت کے اس حسین باغ کی خوبصورتی اپنے تمام خوبصورت پودوں اور پھولوں کی بدولت ہی پروان چڑھی اور ان تمام پھولوں میں ان پانچ پھولوں کی مہک چہار دانگ عالم میں ایسی رچ بس گئی کہ جس کی کوئی مثل نہ بن سکی جن میں احناف شوافع مالکیہ جعفریہ اور حنابلہ قابل ذکر ہیں کیونکہ اس مقالے میں فقہ حنبلیہ کے ایک اصول پر بحث کی جائے گی اس لئے فقہ حنبلی کا تعارف بنیادی مصادر، فقہی منہج،اہم شخصیات، مشہور کتب کا تعارف، بھی ذیل میں ذکر کیا جائے گا۔

قرآن وسنت میں دو طرح کے احکام مذکور ہیں،ایک جن میں عمل کے طریقہ کو واضح الفاظ میں بیان کر دیا گیا ہے،دوسرے جن میں صرف اصول و مقاصد کی وضاحت کی گئی ہے، یا ایسے مبہم الفاظ احکام بیان کئے گئے ہیں، جن میں ایک سے زیادہ معنوں کا احتمال ہو اور مختلف ادوار میں اس کے مفہوم و مصداق میں فرق ہو سکتا ہو،ان دوسرے قسم کے احکام میں انسان کی فکر و عمل کو بھی قانون شریعت کا ایک ماخذ مانا گیا ہے، خواہ یہ ایک فرد یا کچھ افراد کا انفرادی عمل ہو، جس کو قیاس واجتہاد کہتے ہیں، یا عوام کا قول و فعل ہو، جس کو عرف وعادت سے تعبیر کیا جاتا ہے، اگر قول یا فعل سے متعلق کوئی عرف ہو اور وہ عرف نص سے متصادم نہ ہو، تو اسے شرعاً معتبر مانا گیا ہے؛ بلکہ بعض دفعہ عرف وعادت سے کتاب وسنت میں منقول تعبیرات کی توضیح بھی ہوتی ہے، مثلا: رسول اللہ ﷺ نے قبضہ سے پہلے خرید و فروخت سے منع فرمایا؛ لیکن قبضہ کا قطعی مفہوم متعین نہیں فرمایا؛ لہذا ہر زمانہ میں قبضہ کی صورت، تاجروں کے عرف اور ان کی عادت سے متعین ہو گی؛ پس، یہ ایک حقیقت ہے کہ فقہ کے بہت سے احکام اپنے عہد کے عرف پر مبنی ہیں اور جو حکم کسی خاص عہد کے عرف سے متعلق ہو، عرف کی تبدیلی کے ساتھ اس میں تبدیلی ضروری ہے ۔ کیونکہ فقہ حنبلی کے تمام اصول خود امام احمد بن حنبل صاحب نے مرتب نہیں کئے بلکہ آپ کے تلامذہ نے آپکی گفتگو اور کلام سے کئے اس لیئے اصول اور فن کی کوئی بھی باقاعدہ کتاب امام صاحب کی طرف منسوب نہیں آپ کے فقہی مشرب کو آگے فروغ آپکے تلامذہ نے ہی دیا اور اور فقہی منج کو مرتب کیا جس میں :کتاب اللہ،۲:سنتِ رسول ، ۳:فتویٰ صحابیؓ،۴:اجماع، ۵: قیاس، ۶:استصحابِ حال،۷: مصالحِ مرسلہ،۸:سدِ ذرائع اور ایک اور اصول جو بہت ہی کم شامل کیا گیا وہ ہے **عرف وعادت** باقی ماخذ شریعت کے اوپر مواد تو کثرت سے ملتا ہے مگر عرف وعادت پر بہت کم یا بکھرا ہوا ملتا ہے۔عرف وعادت کے اس تخصیصی مطالعہ کو اس لئے لیا گیا کہ اس پر مواد ایک جگہ مرتب نہیں کیا گیا اس مقالے میں میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ حنابلہ کے ہاں عرف وعادت کو بطور ماخذ شریعت مانا گیا ہے اور اسکا اطلاق بھی کیا گیا ہے۔فقہ اسلامی میں بہت سے شعبہ جات میں عرف وعادت کی بنیاد پر احکام کی کثیر تعداد موجود ہے ذیل میں فقہ حنبلی کا تعارف اور عرف وعادت پر مبنی احکام کا تخصیصی جائزہ فقہ حنبلی کی کتب کی روشنی میں لیا گیا ہے۔عرف وعادت کے کلام سے پہلے اس فقہ کے بانی، تلامذہ، نمایاں خدمات والے شاگرد، فقہی منہج، اور امھات کتب حنابلہ کا تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

امام احمد بن حنبل

امام ابوزہرہ حیات امام احمد بن حنبل میں نقل کرتے ہیں کہ آپ کی پیدائش ربیع الاول 164 ھجری میں ہوئی پیدائش کی تصدیق آپ نے خود بھی فرمائی جسکی دلیل انکے بیٹے عبداللہ کرتے ہیں تاریخ وفات بھی متعین اور غیر مشکوک ہے اور وہ ہے 12 ربیع الاول 241ھ جمعہ کے دن آپ کی تدفین ہوئی آپ کے جنازے میں شریک افراد کی تعداد 8 لاکھ تھی آپکے شیوخ بہت زیادہ تھے[1] امام شافعی نے آپ کے آٹھ خصال بیان کئے ہیں کہ آپ حدیث، فقہ لغۃ، قرآن، فقر، زہد، ورع، سنۃ کے امام تھے۔[2]

کبار حنبلی فقہا

جن علمائے حنابلہ نے کثرت کے ساتھ حنبلی فقہ کو بیان کیا ان میں ابراہیم الحربی، ابراہیم ابن ہانی اور انکے بیٹے اسحاق، ابو طالب المشکالتی، ابو بکر المروزی ابو بکر الاثرم، ابوالحارث، احمد، اسحاق بن منصور الکوسک، اسماعیل، ابوداود سجستانی، حسن بن ثواب، حرب الکرمانی۔[3]

فقہ حنبلی کے مصادر شریعہ

ابن قیم فرماتے ہیں کہ فقہ حنبلی کی بنیاد ان اصولوں پر ہے:

نصوص، فتاوی صحابہ اور مسالک ائمہ اربعہ، اجماع، قیاس، استصحاب، مصالح مرسلہ اور سد الذرائع اور مصالح کے ضمن میں عرف وعادت کو بھی نقل کیا ہے۔[4]

فقہ حنبلی کی اہم کتب

1۔ مختصر خرقی، حسین خرقی۔2۔الروایتین والوجہین، حسن بن فراء،3۔الکافی، ابن قدامہ حنبلی، ۴۔المقنع، ۵۔المغنی ابن قدامہ مقدسی، ٦۔العمدہ ابن قدامہ مقدسی، ۷۔المحرار ابو البرکات عبد الاسلام، ۸۔الشافعی ابن عمر مقدسی، ۹۔ مجموع الفتویٰ ابن تیمیہ، ۱۰۔الفروع ابن مفلح حنبلی(5)

ذیل میں ہم عرف وعادت کے مسائل عبادات اور معاملات میں زیر بحث لائیں گے

1-عبادات میں عرف وعادت کا استعمال

عرف کی عملی تطبیق کا میدان اس قدر وسیع ہے کہ اس کا احاطہ ایک آرٹیکل میں یقینا مشکل ہے۔ فقہ کا کوئی باب ایسا نہیں کہ جس میں عرف وعادت پر مبنی احکام موجود نہ ہوں۔ اگرچہ عبادات کا باب ایسا شعبہ ہے جہاں احکام زیادہ تر توقیفی ہیں اور عرف وعادت کی

1۔ ابوزہرہ حیات **امام احمد بن حنبل**، مترجم سید رئیس احمد جعفری (فیصل آباد: ملک سنز پبلی کیشنز کارخانہ بازار)، ص،53

2۔ ابن ابی یعلی، ابو الحسین محمد بن محمد بن الحسین (م526ھ) تحقیق: محمد حامد الفقی، **طبقات الحنابلۃ** (قاہرہ: مطبہ السنہ المحمدیہ، 1371ھ)، 5/11.

3۔ عبدالرحمن العلیمی المقدسی الحنبلی، **المنہج الاحمد فی تراجم اصحاب االامام احمد** (بیروت لبنان: دار صادر 820ھ)، ج1، ص،110

4۔ ابو بکر بن ایوب ابن قیم الجوزی، **اعلام الموقعین عن رب العالمین** (سعودی عرب: دار ابن الجوزی، 1423ھ)، ج4ص،460

5۔ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، **قاموس الفقہ** (کراچی: زمزم پبلی کیشنز، مقدس مسجد اُردو بازار)، ج اص،390-389

تطبیق بہت کم ہے، تاہم یہاں بھی ایسے مسائل موجود ہیں جن کی بنیاد عرف وعادت پر دیکھی جاسکتی ہے۔ایسے احکام کی چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

احکام طہارت میں عرف وعادت کا اطلاق

کتاب الطہارۃ میں جن احکام میں عرف وعادت کا اطلاق ہوتا ہے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ مستعمل پانی اگر غیر مستعمل پانی میں واقع ہو جائے تو کیا حکم ہے؟

اس ضمن میں تین اقوال ہیں:

ا۔ اگر مستعمل پانی قلیل مقدار میں ہو تو کوئی حرج نہیں اگر کثیر مقدار میں ہو تو اس کا استعمال منع ہے۔

۲۔ اگر مستعمل پانی کو الگ نہ کیا جائے تو استعمال منع ہے ورنہ نہیں۔

۳۔ اگر مستعمل پانی غیر مستعمل میں اس طرح واقع ہو جائے کہ پتہ نہ چلے تو حرج نہیں اور اگر وہ واضح اور زیادہ میں معلوم ہو تو استعمال منع ہے۔

ان احکام کی بنیاد اس عادت پر ہے جو حضور ﷺ سے کتب حدیث میں اس طرح منقول ہے۔

اغتسل هو وعائشة من إناء واحد تختلف أيديهما فيه[6]

یعنی حضور نبی اکرم ﷺ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ ایک ہی برتن سے غسل فرماتے۔

طہارت کے باب میں ہی یہ مسئلہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ حیض کے دورانیہ کی قلت یا کثرت پر تین اقوال ہیں:

یہ کہ حیض کی کم سے کم مدت بھی ہے جیسا کہ اس کی زیادہ سے زیادہ مدت ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اس کی زیادہ سے زیادہ مدت کا تعین تو ہے مگر اس کی قلت کی مدت کی کوئی حد نہیں۔

یہ کہ نہ تو اس کی کثرت کی حد ہے اور نہ ہی قلت کی۔ بلکہ ان دونوں کا انحصار عورت کی حیض کے بارے میں عادت پر منحصر ہے۔امام ابن تیمیہ نے یہی فتوی بیان کیا ہے کہ عورت کی مدت حیض پر کوئی شرعی یا لغوی حکم نہیں بلکہ عورت کی عادت کا اعتبار ہوگا۔اسی ضمن میں یہ مسئلہ بھی ہے کہ دو حیضوں کے درمیان طہر کی مدت کتنی ہوتی ہے۔ یہاں بھی دو اقوال بیان کئے جاتے ہیں۔ یہ کہ دو حیضوں کے درمیان کم سے کم مدت طہر مقرر ہے۔دوسرا قول یہ ہے کہ اس کی کوئی مقرر حد نہیں بلکہ عورت کی عادت پر منحصر ہے اور وہی اُس کی تصدیق کرے گی۔[7]

2۔ نماز اور عرف عادت

نماز کے مسائل میں بھی عرف وعادت کا اعتبار کسی حد تک موجود ہے۔اس ضمن میں مشہور مثال یہ ہے کہ عمل پیر نماز کو باطل نہیں کرتا۔ نمازی کے لئے اس بات کی اجازت ہے کہ دوران نماز بقدر ضرورت عمل پیر کر سکتا ہے۔ بعض فقہاء نے اس کی حد تین مرتبہ مقرر کی ہے جبکہ دیگر فقہاء کا کہنا ہے کہ نماز کو باطل کر دینے والی حرکت کے لئے ضروری ہے کہ وہ عمل کثیر ہو۔ عمل

6۔ محمد بن إسماعيل البخاري، **صحيح البخاري**، كتاب الغسل، باب هل يدخل الجنب يده في الاناء(دمشق: دار ابن كثير اليمامة، الطبعة الخامسة، 1414ھ)، ج1، ص71۔

7۔ احمد بن تيمية، **مجموع الفتاوى**(المدينة المنورة، السعودية: مجمع الملك فهد لطباعة المصحف الشريف 2004), ج19، ص237

پیر یا کثیر کی کوئی مخصوص شکل یا تعداد مقرر نہیں، بلکہ اس کا انحصار حرف پر ہے۔ جس عمل کو لوگ عمل کثیر کہیں گے وہ نماز کو باطل کر دے گا اور جیسے عرف میں عمل پیر کہا جائے گا اسے عمل پیر ہی کیا جائے گا۔[8]

3۔زکوۃ میں عرف کا اعتبار

مسئلہ ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس پانچ اونٹ ہوں تو اس پر ایک بکری زکوۃ ادا کی جائے گی۔ابن قدامہ کی رائے ہے کہ بکری اونٹوں کے حسب حال ہو گی یعنی اونٹ اگر فربہ ہوں تو بکری بھی فربہ ہو گی۔اونٹ اگر کمزور یا متوسط ہوں تو بکری بھی ویسے ہی ہو گی۔[9]ابن عبدالسلام کی رائے ہے کہ بکری کی صحت کا معیار لوگوں کے طرف اور علاقے کے رواج کے مطابق ہو گا۔[10]زکوۃ ہی کے سلسلہ میں یہ مسئلہ بھی قابل ذکر ہے کہ عورت اپنے رواج اور عرف کے مطابق سونے،چاندی یا جواہرات کے زیورات زیب تن کر سکتی ہے اور زیر استعمال زیورات پر زکوۃ واجب نہ ہو گی چاہے اس کی مقدار کتنی ہی کیوں نہ ہو اور جب عورت اپنے علاقے یا خاندان کے عرف سے زائد زیورات استعمال کرے گی تو اس پر زکوۃ ہو گی۔[11]

4۔روزہ میں عرف کا اعتبار

رمضان المبارک میں مسافر کس قدر مسافت کرے گا کہ اسے روزہ افطار کرنے کی رخصت ہو گی۔اس میں چار اسباب وجہات بیان کی جاتی ہیں۔

1۔اس کا دار و مدار وقت پر ہو گا جیسا کہ ایک دن کی مسافت یا تین دنوں کی مسافت

2۔اس کا دار و مدار مقدار سفر پر ہو گا جیسا کہ دس میل یا بیس میل کا سفر اس کا تعلق مسافت کی مشقت پر بھی ہو سکتا ہے۔

3۔اگر سفر پر مشقت ہو تو مسافر قصر و افطار کی رخصت حاصل کرے گا۔

4۔چوتھی جہت یہ ہے کہ ہر وہ سفر جسے لغت اور عرف کے اعتبار سے سفر کہا جائے اور سفر کرنے والے شخص کو صرف مسافر کہا جائے تو ایسی حالت میں نماز کو قصر اور روزے کو افطار کیا جا سکتا ہے۔اس صورت میں مقدار سفر اور وقت سفر وغیرہ غیر متعلق ہو جائیں گے۔چنانچہ فقہاء کی رائے ہے کہ اگر کوئی شخص طویل سفر طے کر کے اپنے کسی باغ وغیرہ کی دیکھ بھال کے لئے جائے تو وہ مسافر نہ ہو گا بلکہ مقیم ہی متصور ہو گا۔کیونکہ لوگ اسے مسافر نہیں گردانتے اور وہ خود بھی اپنے آپ کو مسافر نہیں خیال کرتا۔بصورت دیگر مسافر کے احکام لاگو ہوں گے جیسا کہ اہل مکہ نے حج کے موقع پر عرفات کے سفر میں قصر کیا۔[12]

چونکہ شریعت میں مسافت کی مقدار بلحاظ وقت اور فاصلہ مخصوص نہیں لہذا سفر کے ضمن میں بہترین معیار صرف ہی ہو گا۔یعنی جسے لوگ سفر کہیں گے اس میں قصر و افطار جائز ہو گا ورنہ نہیں۔اس سے ایک بات ملے ہو جاتی ہے کہ جسے شریعت نے محدود اور متعین نہ کیا ہو اسے عرف متعین کرے گا۔

5۔حج میں عرف کا اعتبار

8۔ أحمد بن محمد بن قدامة, **المغني لابن قدامة**(القاهرة: مكتبه القاهره،620-641ھ)،ج2ص،182

9۔ **نفس مصدر**

10۔ عزالدين بن عبد السلام, **واعد الأحكام في مصالح الأنام**(القاهرة:مكتبة الكليات الأزهرية،1991،1411)،ج2ص،120

11۔ **نفس مصدر**

12۔ مزید مثالوں کے لیے ابن رشد، **بداية المجتهد ونهاية المقتصد**(القاهرة: دار الحديث،2004)،ج1،ص1171۔

عبادات کے ہی ضمن میں حج کا معاملہ بھی ہے۔حج کی فرضیت کے لئے ضروری ہے کہ حاجی کے لئے بیت اللہ کا سفر کرنا ممکن ہو۔ اس امکان کا تعلق بھی عرف وعادت پر مبنی ہوگا۔اگر کوئی شخص عام مروجہ طریقے سے سفر کرکے حج کو نہ پاسکتا ہو۔ہاں اگر وہ اپنے آپ کو لوگوں کی عادت کے برخلاف تکلیف میں مبتلا کرکے سفر کرنے سے ہی حج کو پانا ممکن ہو تو حج کی سعی لازم نہ ہوگی۔امام ابن قدامہ کا یہی موقف ہے کہ اگر لوگوں کے عرف وعادت سے بڑھ کر مشقت کرنے سے ہی حج کرنا ممکن ہو تو حج کی کوشش کرنا لازم نہ ہوگا گویا حج کے لئے سفر کے لزوم کے لئے ضروری ہے کہ عام مروجہ طریقے سے حج کو پانا ممکن ہو اور عرف وعادت سے کئے ہوئے طریقے کو اپنا کر حج کرنا لازم نہ ہوگا۔[13]

معاملات میں عرف وعادت کا استعمال

علم فقہ کا اطلاق چونکہ دین اور دنیا دونوں پر ہوتا ہے۔اس لئے مسائل فقہ کو دو بڑے حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے: ا۔عبادات: جو امور عام طور پر روحانیت اور آخرت سے متعلق ہیں جیسے نماز، روزہ، حج، زکوۃ۔ عرف وعادت کے اعتبار سے اس قسم پر بحث گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہے۔ ۲۔ معاملات: احکام کی دوسری قسم معاملات کی ہے اب یہاں معاملات پر گفتگو کی جاتی ہے۔ آئندہ کے صفحات میں معاملات میں عرف وعادت کے استعمال کی مثالوں کا ذکر کیا جائے گا۔

خرید وفروخت میں عرف وعادت کا استعمال

عقد بیع مالی معاملات میں سب سے اہم معاملہ ہے۔ تمام معاہدات میں یہ سب سے پہلے آتا ہے۔یہ کتب فقہ کے وسیع پر مشتمل ہوتا ہے اور انسانوں کی عملی زندگی میں اس عقد کی اہمیت بہت گہری ہے۔ فقہاء معاملات کے ابواب کی ابتداء اسی عقد کی بحث سے کرتے ہیں اور وہ تمام متعلقہ قواعد، صیغہ جات، باہمی رضا، حقیقت مال اور شرائط بیع کو تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔ عقد بیع میں عرف وعادت کا استعمال کثرت سے ہوتا ہے۔ عقد بیع میں تعریفات، قواعد، صیغہ جات، شرائط وغیرہ ہر ایک میں عرف وعادت کا استعمال واطلاق نظر آتا ہے۔ مثال کے طور پر عقد بیع کے انعقاد کے لئے صیغہ جات کا مناسب ہونا ضروری ہے۔اس بارے میں علماء کے دو اقوال ہیں:

۱۔ ایک قول یہ ہے کہ بیع سوائے مخصوص الفاظ کے منعقد نہیں ہوتی۔

۲۔ دوسرا قول یہ ہے کہ بیع ہر اس طریقے اور الفاظ سے منعقد ہو جاتی ہے جسے لوگ عرف میں بیع ہی خیال کرتے ہوں کیونکہ شریعت میں بیع کا لفظ مطلق ہی استعمال ہوا ہے اور اختلاف کی صورت میں عرف سے رجوع کیا جائے گا۔امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ اہل مدینہ بیع میں عرف کو ہی معتبر مانتے تھے۔اُن کے نزدیک وہی بیع تھی جسے لوگ بیع خیال کرتے تھے اور جسے لوگ اجارہ کہتے وہ اجارہ ہی تھا اور جسے وہ ہبہ خیال کرتے وہ ہبہ ہی ہوتا تھا۔[14]

اسی طرح جب کسی شخص نے کسی دوسرے سے کوئی گھر خریدا تو عرف کے مطابق اس سودے میں گھر کی بنیادیں اور درخت وغیرہ بھی شامل ہوں گے۔امام عزالدین بن عبدالسلام لکھتے ہیں:

وإن لم يصرح بذلك للعرف الجاري بين الناس في أن مثل هذه الأشياء تدخل في عقد البيع تبعا للدار)(1)

13۔ ابن قدامہ، **المغنی**، ج3، ص214۔

14۔ ابن تیمیہ، **مجموع الفتاوی**، ج2، ص345

اگرچہ مکان کی خرید و فروخت میں اس بات کی تصریح نہ بھی کی گئی ہو پھر بھی یہ چیزیں مکان کے سودے میں شامل ہوں گی کیونکہ معاملات میں لوگوں میں ایسا ہی عرف پایا جاتا ہے۔ کسی عقد بیع کے درست ہونے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ فریقین نے ایجاب و قبول کیا ہو۔ اس کے لئے دونوں کے درمیان عقد بیع کے لئے باہمی رضامندی ضروری ہے۔ نیز ایجاب و قبول کے درمیان مناسب وقفہ ہونا چاہئے اور مناسب وقفہ وہ ہوگا جو لوگوں کے عرف کے مطابق ہوا گر یہ وقفہ عرف وعادت کے مطابق ہے تو عقد بیع منعقد ہو جائے گا ورنہ نہیں۔ ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ اگر خریدار نے کہا کہ میں یہ چیز تم سے خریدتا ہوں اور فروخت کنندہ نے کہا کہ تمہیں بہت مبارک ہو تو یہ بیع بوجہ ایجاب و قبول کے عرفا درست ہو گی۔[15]

خیار مجلس میں عرف وعادت کا اطلاق

بیع کے ارکان و شرائط مکمل ہونے پر وہ منعقد ہو جاتی ہے۔ تاہم شریعت کسی عقد میں صرف الفاظ و شرائط کو ہی معیار نہیں سمجھتی بلکہ عدل و حکمت کی بنیادی اہمیت ہے۔ بیع میں ارکان و شرائط کے مکمل ہونے کے بعد بھی اگر عقد بیع میں کوئی نقص، ثمین یا جعل سازی ثابت ہو جائے تو عاقدین کو بیع فسخ کرنے کا اختیار ہوتا ہے تاکہ کسی فریق کا نقصان نہ ہو۔ دفع مضرت کے لئے عاقدین کو مندرجہ ذیل خیارات حاصل ہوتے ہیں:

۱۔خیار مجلس

۲-خیار شرط

3۔خیار تمکین

4۔خیار تدلیس

5۔خیار عیب

ان میں سے بعض وہ ہیں جن کا تعلق عاقدین کے مصالح سے ہے اور بعض وہ جن کا تعلق عاقدین کے ارادے سے ہے۔

خیار مجلس کا ثبوت حدیث سے ملتا ہے جیسا کہ ارشاد نبوی ہے:

البيعان بالخيار مالم يتفرق[16]

عاقدین کو بیع کے بارے میں اُس وقت تک اختیار حاصل ہے جب تک وہ الگ الگ نہ ہو جائیں۔

امام ابن قدامہ فرماتے ہیں کہ بیع عاقدین کے الگ الگ ہو جانے کے بعد لازمی ہو جاتی ہے۔ فریقین کی علیحدگی کا اعتبار لوگوں کی عرف وعادت کے اعتبار سے ہوگا۔ یعنی جس کو لوگ علیحدگی تسلیم کرتے ہیں وہ معتبر ہوگا۔ وہ فرماتے ہیں:

والمرجع في التفرق إلى عرف الناس وعادتهم فيما يعدونه تفرقا، لأن الشارع علق عليه حكما ولم يبينه، فدل ذلك على أنه أراد ما يعرفه الناس[17]

15۔ ابن تیمیہ، **مجموع الفتاوی**، ج2، ص345

16۔ یحیی بن شرف النووي، **المنھاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج** (بیروت: دار احیاء التراث العربي، 686ھ)، ج10، ص1017

17۔ ابن قدامہ، **المغنی**، ج6، ص13۔

یعنی عاقدین کی علیحدگی کی بنیاد لوگوں کا عرف وعادت ہے جسے وہ علیحدگی گردانیں گے وہی علیحدگی ہوگی کیونکہ شارع نے اس حکم کی تشریح نہیں فرمائی۔ جو اس بات کی دلیل ہے کہ شارع کا ارادہ وہی تھا جو لوگوں کے عرف کے مطابق ہو۔"

خیار غبن میں بھی اس طرح کی بحث ملتی ہے۔ غبن سے مراد بیع میں دھوکہ دہی ہے یعنی مبیع میں یا قیمت میں کوئی نقص ہونا۔ فقہاء کے نزدیک غبن سے مراد یہ ہوتا ہے کہ جب قیمت اور چیز ایک دوسرے کے صحیح متبادل نہ ہوں تو غبن ہوگا۔ یعنی قیمت کا مبیع کی حیثیت سے کم یا زیادہ ہونا۔ ایسی صورت میں عاقدین میں سے اسے کسی کو بیع فسخ کرنے کا اختیار ہوگا تاہم یہ سہولت بھی لوگوں کے عرف وعادت سے تجاوز نہیں کرے گی۔ ایسا صرف اسی صورت میں ہوگا جس میں لوگوں کی عادت موجود ہے ورنہ خیار غبن درست نہ ہوگا۔[18]

خیار تدلیس میں بھی عرف وعادت کا اطلاق موجود ہے۔ تدلیس کا معنی کسی عیب کو چھپانا ہے۔ فقہی اعتبار سے تدلیس کی دو قسمیں ہوتی ہیں: ایک کسی عیب کو چھپانا۔ ۲۔ کوئی ایسا فعل کرنا جس سے چیز کی قیمت بڑھ جائے اگرچہ عیب نہ ہو۔[19] و حدیث مبارکہ ہے:

روى أبو هريره الله أن رسول الله مر على صبرة طعام، فأدخل يده فيها فنالت أصابعه بللا فقال: ما هذا يا صاحب الطعام؟ قال: أصابت السماء يا رسول الله قال: أفلا جعلته فوقالطعام حتى يراه الناس، ثم قال: من غش فليس مني[20]

حضرت ابو ابوہریرہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ کا گزر غلے کے ڈھیر سے ہوا۔ آپ ﷺ نے اس کے اندر اپنا ہاتھ ڈالا تو آپ کی انگلیاں گیلی ہو گئیں۔ آپ نے غلے والے سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ اُسنے جواب دیا کہ اس پر بارش ہو گئی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم اسے اوپر نہیں کر سکتے تھے تا کہ لوگ دیکھ سکتے! پھر فرمایا کہ جس نے ملاوٹ کی اُس کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔" چنانچہ ایسی صورت میں کہ جب بیع میں تدلیس یا ملاوٹ پائی جائے اور خریدار کو اُس سے آگاہ نہ کیا جائے تو بیع کو فسخ کیا جانے کا حق موجود رہتا ہے۔ تاہم یہ بھی لوگوں کے عرف وعادت کے مطابق ہوگا۔ ایسے فعل کے ناجائز ہونے میں کوئی شبہ نہیں البتہ فسخ بیع عرف وعادت کے مطابق ہے۔[21] ایک مسلمان اپنے قول و فعل میں سچا اور کھرا ہوتا ہے۔ اس سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ نہ صرف اپنی ذات کا خیر خواہ ہوتا ہے بلکہ دوسروں کے لئے بھی بہتر ہی سوچتا ہے۔ خرید و فروخت کے معاملات میں بھی وہ مکمل ایمانداری کو برقرار رکھتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

فإن صدقا وبينا بورك لهما في بيعهما، وإن كتما وكذبا محقت بركة بيعهما[22]

18۔ مصطفی احمد الزرقاء، **المدخل الفقهي العام** (دمشق: دار القلم، الطبعۃ الثانیہ، 2004)، ج1، ص378

19۔ ابن تیمیہ، مجموع الفتوی، ج3، ص213

20۔ **المسلم**، کتاب الایمان، ج2، ص108

21۔ ابن قدامہ، **المغنی**، ج6، ص223

22۔ **المسلم**، مع شرح النووی، ج10، ص175

اگر دونوں (بائع اور مشتری) نے سچ بولا اور کھول کر بیان کر دیا تو اُن کی بیع میں برکت ہو گی اور اگر انہوں نے کچھ چھپایا یا جھوٹ بولا تو اُن کی بیع سے برکت اُٹھ جائے گی۔

بیع کے معاملہ میں اصل تو یہی ہے کہ چیز اور اس کی قیمت ایک دوسرے کا صحیح متبادل ہوں۔اُن میں کسی قسم کا دھوکہ، فریب، جھوٹ یا عیب نہ ہوں۔تاجروں کے عرف کے مطابق اگر عیب پایا جاے تو عرف وعادت کے مطابق بیع کو فسخ کرنے یا دمشتری کے کسی قول و فعل . برقرار رکھنے کا اختیار ہو گا اور اگر عیب ظاہر ہونے کے بعد مشتر اسے اُس کی رضا ظاہر ہو جائے تو بیع درست ہو گی۔جب بیع کے ارکان وشرائط مکمل ہو جائیں تو اُس کے بعد اُس کا نتیجہ یہ ہے کہ مبیع کو مشتری کے سپرد کر دیا جائے اور مشتری کو چاہیے کہ وہ مبیع پر قبضہ حاصل کرے۔امام ابن قدامہ فرماتے ہیں:

القبض مطلق في الشرع، فيجب الرجوع فيه إلى العرف[23]

شریعت نے قبضہ کو مطلق رکھا ہے۔اس کی کیفیت کا دارو مدار عرف پر ہو گا۔

امام ابن تیمیہ قبضہ میں عرف کے اعتبار کے بارے میں فرماتے ہیں:

المرجع في القبض إلى عرف الناس و عاداتهم 24

قبضہ میں عرف وعادات کی طرف رجوع کیا جائے گا۔"

ان دلائل کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ قبضہ کے احکام میں شریعت کی تعلیمات مطلق ہیں جب کہ ان کی تطبیق کے لیے لوگوں کے عرف وعادات کے مطابق عمل ہو گا۔جیسا کہ منقولہ وغیر منقولہ بیع کے بارے میں لوگوں کا عرف الگ الگ ہوتا ہے۔لہذا منقولہ یا غیر منقولہ مبیع کی صورت الگ الگ ہونے کی وجہ سے امام ابن قیم نے یہ قاعدہ لکھا ہے:

قبض كل شيء بحسبه عرفاً[25]

ہر چیز (مبیع) کا قبضہ اُس کے متعلق لوگوں کے عرف کے مطابق ہو گا۔"

جیسا کہ دیکھا گیا ہے کہ غیر منقولہ جائیداد میں قبضہ کی صورت یہ ہے کہ بائع جائیداد پر سے اپنا قبضہ اُٹھا لے اور جائیداد (مبیع) کو خالی کر دے اور مشتری اور مبیع کے درمیان حائل نہ رہے۔یہی اگر عرف ہے تو اسے ہی قبضہ حاصل کرنا کہا جائے گا۔اسی بات کو امام خطابی نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

القبوض تختلف في الأشياء حسب اختلافها في نفسها، وحسب اختلاف عادات الناس فيها[26]

قبضے اشیاء کی نوعیت کے اختلاف کی وجہ سے مختلف ہوتے ہیں اور لوگوں کے عرف وعادت کے اختلاف کی وجہ سے بھی مختلف ہوتے ہیں۔

امام ابن تیمیہ نے اس بحث کو یوں ختم کیا ہے کہ مشتری کے لئے ضروری ہے کہ وہ مبیع پر لوگوں کے حرف کے مطابق قبضہ کرے اور جو بیع کے تقاضوں کے مطابق بھی ہو۔چاہے وہ قبضہ بیع سے قبل ہو یا بعد، یا پوری چیز پر ہو یا تھوڑا تھوڑا کرے۔[27] آج کل کے

23- ابن قدامہ، **المغنی**، ج6، ص188

24- **ابن تیمیہ، مجموع الفتاوی**، ج29، ص30

25- ابن قیم الجوزیۃ، **إعلام الموقعین عن رب العالمین**، ج2، ص138

26- عبد العظیم المنذري، **مختصر سنن أبي داود ومعه معالم السنن المطبوع مع تهذیب السنن** (بیروت: دار الکتب العلمیہ)، ج5، ص137

بنکاری نظام اور مالیاتی کمپنیوں کے ساتھ خرید وفروخت کے معاملات میں شاید قبضہ کی صورت وہ نہ ہو جو بالامھات کتب فقہ میں بیان ہوئی ہے۔تاہم اس میں بھی آج کے عرف وعادت کا ہی اعتبار ہو گا۔ عرف وعادت کی تطبیق کی مثالیں شفعہ اور حق شفعہ میں بھی ملتی ہیں۔شریعت نے حق شفعہ کو انصاف اور لوگوں کے مصالح کے پیش نظر تسلیم کیا ہے۔کیونکہ شریعت کے اصلی احکام میں سے یہ بھی ہے کہ بندوں کے مصالح کو قائم کیا جائے اور اُن سے حرج اور ضرر کو دفع کیا جائے۔اگرچہ کسی بھی ایسے لفظ سے حق شفعہ ثابت ہو سکتا ہے جو طلب شفعہ کا فائدہ دے۔تاہم اس ضمن میں اُصول یہ ہے:

وظاهر أن مرجع دلالة هذه الألفاظ ونحوها إلى العرف وأنها العرف القولی[28]

یعنی حق شفعہ کو طلب کرنے والے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے اُن کی دلالت لوگوں کے عرف پر ہے اور یہ عرف قولی ہوتا ہے۔

اسی طرح حق شفعہ کے ثبوت،اوقات،طلب وغیرہ میں عرف وعادات کا اعتبار لازمی ہے۔

اجارہ میں عرف وعادات

کسی عوض کے مقابل کسی چیز کے منافع کو فروخت کرنے کے عقد کو اجارہ کہا جاتا ہے۔تمام ادوار کے اہل علم وفقہاء اجارہ کے جواز کے قائل رہے ہیں کیونکہ ہر کسی کے لئے ممکن نہیں کہ وہ ہر چیز کا مالک ہو مثلاًہر کسی کے پاس مکان نہیں ہوتا نہ ہی ہر کسی کے پاس اپنی سواری ہوتی ہے لہذا لوگوں کی سہولت اس میں ہے کہ وہ اپنی ضرورت کے مطابق اشیاء کو اجارہ پر حاصل کریں۔اجارہ بیع کی اقسام میں سے ہی ایک قسم ہے جسے بیع المنافع بھی کہا جاتا ہے۔عقد اجارہ کے انعقاد کے الفاظ کا اعتبار عرف پر مبنی ہے۔جس طریقہ اور جن الفاظ کے ساتھ لوگ عقد اجارہ کرتے ہوں وہی معتبر ہو گا۔امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

فأي لفظ من الألفاظ عرف به المتعاقدان مقصودهما انعقد به العقد[29]

یعنی کوئی بھی ایسا لفظ جس کا مقصود فریقین سمجھتے ہوں،اُس سے عقد منعقد ہو جائے گا۔

اجارہ کسی بھی ایسے لفظ سے منعقد ہو جائے گا جو اجارہ کے لئے مستعمل ہوتا ہو اور عاقدین کی لغت میں واضح ہو اور اُن کے عرف کے مطابق ہو۔امام ابن تیمیہ مزید فرماتے ہیں:

ان اسم البيع والإجارة والهبة في هذا الباب لم يحدها الشارع، ولالها حد في اللغة بل يتنوع ذلك بحسب عادات الناس وعرفهم فما عدوه بيعاً فهو بيع، وما عدوه هبة فهوهبة، و ما عدوه إجارة فهو إجارة وهذا أشبه بالكتاب والسنة و أعدل[30]

یعنی شارع اور لغت نے بیع،اجارہ اور ھبہ کی اس ضمن میں کوئی متعین حد بندی نہیں کی بلکہ یہ چیزیں لوگوں کے عرف وعادات کے مطابق متعین ہوتی ہیں جسے لوگ بیع شمار کریں وہی بیع ہو گی اور جسے لوگ ہبہ کہیں وہ ہبہ ہو گا اور جسے اجارہ کہیں وہ اجارہ ہے۔یہی کتاب وسنت کے قریب تر اور عدل کے مطابق ہے۔''

27۔ ابن تیمیہ **مجموع الفتاوی**،ج30،ص275

28۔ **نفس مصدر**،ج20،ص533

29۔ **المدخل الفقهي العام**،ج1ص،247

30۔ عبدالحلیم ابن تيمية الحراني ،**رسالة صحة اصول مذهب أهل المدينة**،ج20،ص345

اس بات کی وضاحت عادل بن عبدالقادر نے اس طرح سے آسان الفاظ میں کر دی ہے:

إن الإجارة تنعقد بكل ما يدل على الرضا عرفا بين العاقدين ويكون واضح الدلالة عليهاوما عده الناس إجارة فهو إجارة[31]

بے شک اجارہ ہر اس لفظ سے منعقد ہو جاتا ہے جو معاہدہ کرنے والوں کی عرف کے مطابق رضا مندی کو ظاہر کرے اور اُس کی دلالت واضح ہو اور لوگ اُسے اجارہ ہی قرار دیتے ہوں۔

اس کی مثال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص حجام کی دکان میں داخل ہو اور وہاں بیٹھ کر اُس نے اپنا سر اس کی جانب اس غرض سے جوکا دیا کہ حجام اُس کی حجامت کرے تو یہ عمل ان کی رضا مندی پر دلالت کرتا ہے چنانچہ اس پر عرف کے مطابق اجرت واجب ہو گی۔اسی طرح اگر کسی نے درزی یا دھوبی کو کپڑا دیا اور اُنہوں نے اُس پر اپنے پیشے کے مطابق عمل کر دیا تو وہ عرف کے مطابق اجرت کے مستحق ہوں گے کیونکہ ایسی صورت میں عرف جاری واقع ہوا ہے جو کہ عرف قولی کا قائم مقام ہے۔

اس ضمن میں یہ بات بھی یاد رہے کہ اجارہ میں منافع کا تعین دو باتوں سے ہوتا ہے ایک عرف اور دوسرا وصف مثلاًا گر کسی نے کوئی مکان کرایہ پر لیا تو اُس سے وہ منافع حاصل کرے گا جو عرف کے مطابق ہو۔اسی طرح اگر کسی نے کوئی خادم کرایہ پر حاصل کیا تو اُس سے وہی خدمت لے گا جو عرف کے مطابق ہو اور اگر کوئی سواری کرایہ پر لی تو اُس پر وہی بوجھ لادے گا جو اُس سواری کے وصف اور لوگوں کے عرف کے مطابق ہو۔[32]

عقد اجارہ کی مدت میں بھی لوگوں کے عرف و عادت کا اطلاق پایا جاتا ہے مثلاً اگر زمین کے اجارہ کی مدت سو سال رکھی تو عرف کے مطابق درست ہو گا اور گاڑی کے اجارہ کی مدت پچاس سال رکھی تو درست نہ ہو گا۔اسی طرح عرف و عادت کا اطلاق خادم کے اوقات کار، اُس کی اُجرت، کھانا، آرام، قضائے حاجات میں بھی ہو گا۔ حقیقت یہ ہے کہ عقود میں عرف و عادت کا اعتبار و اطلاق بہت بڑی بنیاد ہے۔جیسا کہ اس بارے میں عبدالرحمن السعدی نے رائے دی ہے:

والعرف أصل كبير، يرجع إليه في كثير من الشروط والحقوق لم تتقدر شرعاً ولالفظا[33]

یعنی (عقود میں) عرف بہت بڑی بنیاد ہے۔ بہت سے ایسے شروط اور حقوق جو شرعی و لفظی اعتبار سے متعین نہ ہوں، عرف کی طرف لوٹتے ہیں۔

امام ابن تیمیہ بھی یہی رائے رکھتے ہیں کہ عقود میں جب کبھی بھی کوئی اختلاف وغیرہ ہو یا حقوق و شرائط کا مسئلہ ہو تو عرف ہی اصل بنیاد ہی ٹھہرتی ہے فرماتے ہیں ا

ا لعقد المطلق يحمل على عرف الناس و عاداتهم[34]

مطلق عقد کا دارومدار لوگوں کے عرف اور ان کی عادات پر ہوتا ہے۔"

31۔ عبد القادر بن محمد ولی قوتہ ،**العرف حجیته وأثره في فقه المعاملات المالية عند الحنابلة**(السعودیہ :، مکتبہ المکیہ) ، ج 2،ص563

32۔ **نفس مصدر**

33۔ عبدالرحمن بن ناصر السعدي،**المختارات الجلية من المسائل الفقهية**(بیروت: دار المعرفہ،1410ھ) ،ص،55

34۔ ابن تیمیہ ،**المجموع الفتاوی**،ج19،ص235

مشارکت، مساقات اور مزارعت میں عرف وعادت کا اطلاق

تجارت وزراعت کی بہت سی صورتوں میں بھی عرف وعادت کے اطلاق کی مثالیں ملتی ہیں۔ شراکت میں عموماً دو یا زائد افراد کسی کاروبار یا کمپنی میں استحقاق اور تصرف میں شریک ہوتے ہیں جب کہ مساقات میں درختوں کے کچھ پھلوں کے عوض درختوں کا باغ دیکھ بھال کے لئے کسی کو دینے کا معاہدہ ہے۔ مزارعت زرعی اراضی کے مالک اور کاشتکار کے درمیان معاہدہ ہوتا ہے کہ پیداوار میں اتنا حصہ مالک اور اتنا حصہ کاشت کار کو ملے گا یعنی بٹائی پر زمین کاشت کرنے کے لئے دینا۔ کاروبار اور تجارت کی یہ تمام صورتیں کتاب، سنت اور اجماع کی روشنی میں جائز ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْخُلَطَاءِ لَيَبْغِي بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّلِحَتِ وَقَلِيلٌ ما هُم[35]

اور اکثر شریک ایک دوسرے پر زیادتی ہی کرتے ہیں ہاں جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور ایسے لوگ کم ہی ہیں۔

اس آیت میں خلطاء سے مراد شرکاء ہیں۔ یہاں شراکت کا جواز ملتا ہے اور شراکت میں ظلم وزیادتی کو آپ نے خیانت قرار دیا ہے۔ آپ نے فرمایا:

يقول الله تعالى: أنا ثالث الشريكين مالم يخن أحدهما صاحبه، فإذا خان أحدهما صاحبه خرجت من بينهما[36]

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اُس وقت تک دو شریکوں میں تیسرا ہوں جب تک وہ ایک دوسرے سے خیانت نہ کریں۔ جب ایک نے دوسرے سے خیانت کی تو میں ان کے درمیان سے نکل جاتا ہوں۔

شراکت میں فریقین کے درمیان جو قواعد وضوابط طے ہوں اُس کے مطابق عمل کیا جائے گا تاہم اگر کوئی ایسا کام کر دیا جائے جو طے شدہ اصولوں اور شرائط کے مطابق نہ ہو تو بھی اگر وہ تاجروں اور کاروباری لوگوں کے عرف کے مطابق ہو تو جائز ہوگا۔ مساقات اور مزارعت میں اُن تمام اعراف وعادات کی پابندی کی جائے گی جو کسانوں اور مزارعوں کے درمیان رائج ہوں جو قیود وشرائط اس سلسلہ میں لازمی ہیں اُن کے بارے میں کہا جاتا ہے:

وهذا يشمل جميع العمليات الزراعية، التي يجرى بها العرف الزراعي، وعوائد الفلاحين والمزارعين في المساقاة والمزارعة[37]

یعنی یہ قواعد وضوابط ان تمام زرعی معاملات پر مشتمل ہوں گے جو کسانوں اور کاشت کاروں میں مساقات اور مزارعت کے عرف وعادت کے مطابق ہوں۔

اس ضمن میں چند قواعد کا ذکر بھی ضروری ہے:

35۔ **القرآن**:38/24۔

36۔ ابوداؤد سلیمان بن اشعث بن اسحاق بن بشیر بن شداد بن عمرو ازدی سجستانی، **سنن ابی داؤد**، کتاب البیوع، حدیث: 3383

37۔ عبدالقادر بن محمد ولی قوتہ، **العرف حجيته وأثره في فقه المعاملات المالية عند الحنابلة**(بیروت: دار ابن حزم)، ج1، ص321

المعروف بين التجار كالمشروط بينه[38]

تاجروں کے درمیان جو معروف ہو وہ ایسے ہی ہے جیسے کہ اُن کے درمیان مشروط ہو۔

اہم نتائج تحقیق

عرف وعادت فقہ اسلامی قانون میں معتبر ہے اگرچہ فقہ اسلامی میں عرف وعادت ثانوی ماخذ ہے فقہی۔ مفتی، مفسر، مبلغ اور مصلح کے لئے لوگوں کے عرف وعادات سے آگاہی ضروری ہے وگرنہ احکام کے استنباط اور دعوت وتبلیغ کے اسلوب میں کوتاہی کا خدشہ ہو سکتا ہے۔اسی طرح جج اور وکلا کے لئے بھی اعراف وعادات کا علم ضروری ہے۔ فقہ اسلامی اور مغربی اصول قانون میں اہم عمومی قواعد کی طرح عرف وعادت سے متعلقہ قواعد بھی بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ عرف وعادت کی قبولیت کے لیے قدیم اور معقول ہونا فقہ اسلامی کے بنیادی ارکان میں سے ہے۔ نیز فقہ اسلامی میں نصوص شرعیہ سے عدم تعارض کی شرط لازم ہے۔ جس طرح فقہ اسلامی میں عرف وعادات کو بہت سے شعبہ جات میں ملحوظ رکھا جاتا ہے۔اسی طرح مغربی قانون میں بھی شاید ہی کوئی ایسا شعبہ ہو جو رواجی قانون سے منسلک ہو۔ شریعت میں عرف وعادت کو احکام کی بنیاد تسلیم کیا جاتا ہے بشرطیکہ وہ کتاب وسنت کے نصوص کے خلاف نہ ہو یہ امر اسلام کے تغیر وثبات کے بہترین امتزاج کی دلیل ہے۔ بدلتے ہوئے عرف وعادات کے تحت خرید و فروخت سے متعلق بہت سے معاملات کی نوعیت تبدیل ہو گئی ہے۔ایجاب وقبول کے طریقے بدل گئے ہیں عصر حاضر میں اشیاء پر قیمتیں درج ہوتی ہیں گاہک چیز اُٹھاتا ہے اور کاؤنٹر پر قیمت ادا کر کے چیز لے جاتا ہے۔ عرف وعادت کی بناپر ایجاب وقبول کے لیے الفاظ استعمال نہیں ہوتے۔ فقہ اسلامی میں اجتہادی فکر کے تحت عرف وعادت کا اعتبار مسلسل جاری ہے۔ شخصی قوانین سے لے کر بین الاقوامی سطح تک شاید ہی کوئی شعبہ ہو کہ جس میں عرف وعادت کا اعتبار نہ کیا جاتا ہو۔ حتیٰ کہ فقہ اسلامی میں عبادات کے شعبے میں بھی ایسے احکام پائے جاتے ہیں جن میں عرف وعادت کا اعتبار کیا گیا ہے

سفارشات

1۔ اس موضوع پر مزید تحقیق کے لیے "بین الاقوامی قانون میں عرف وعادت کے اعتبار کا مطالعہ کیا جائے۔
2۔ فقہاء کے لیے ضروری ہے کہ وہ استنباط واستخراج احکام اور فتویٰ دیتے وقت لوگوں کے عرف وعادت کو مدنظر رکھیں۔
3۔ ماہرین قانون کے لیے بھی لازمی ہے کہ وہ نئے قانون سازی کرتے ہوئے یا پرانے قوانین کی تشریح کرتے ہوئے عرف وعادت کو اہمیت دیں۔
4۔ جس معاملہ میں کوئی قانون موجود نہ ہو وہاں عرف وعادت کا اعتبار کر کے فیصلہ کیا جائے۔
5۔ اسلامی اور ہندی قوانین میں عرف وعادت کا تقابلی مطالعہ بھی اہمیت کا حامل ہو گا۔
6۔ اسلام اور عیسائیت کے قوانین عرف وعادت کا تقابلی جائزہ پر کام کیا جاسکتا ہے۔
7۔ اسلام اور بدھ مت کے قوانین عرف وعادت کے تقابل پر کام ضروری ہے۔

38۔ لجنة مكونة من عدة علماء وفقهاء في الخلافة العثمانية، **مجلة الأحكام العدلية**(کراچی: نور محمد کارخانہ کتب)، 43

Bibliography

1. Al-Qur'ān
2. Muḥammad bin Ismā'īl al-Bukhārī al-Ju'fī, Ṣaḥīḥ al-Bukhārī, Dār Ibn Kathīr, Dār al-Yamāmah, al-Ṭab'ah al-Khāmisah, 1414 AH/1993 CE
3. Abū Zahrah, Ḥayāt Imām Aḥmad bin Ḥanbal, Mutarjim Sayyid Ra'īs Aḥmad Ja'fari, Faisalābād: Malik Sons Publications, Karakhānāh Bāzār
4. Ibn Abī Ya'lah, Ṭabaqāt al-Ḥanābilah, al-Qāhirah: Maṭba'ah al-Sunnah al-Muḥammadiyah, 1371 AH
5. 'Abd al-Raḥmān al-'Alīmī al-Maqdisī al-Ḥanbalī, al-Manhaj al-Aḥmad fī Tarājim Aṣḥāb al-Imām Aḥmad, Bayrūt Lubnān: Dār Ṣādir, 820 AH/948 CE
6. Abū Bakr bin 'Ayyūb Ibn Qayyim al-Jawzī, I'lām al-Muwaqqi'īn 'an Rabb al-'Ālamīn, al-Mamlakah al-'Arabīyah al-Sa'ūdīyah: Dār Ibn al-Jawzī, 1423 AH
7. Mawlānā Khālid Sayf Allāh Rahmānī, Qāmūs al-Fiqh, Karāchī: Zamzam Publications, Muqaddas Masjid Urdu Bāzār
8. Aḥmad bin Taymiyah, Majmū' al-Fatāwā, al-Madinah al-Munawwarah, al-Sa'ūdīyah: Majma' al-Malik Fahd li-Ṭibā'ah al-Muṣḥaf al-Sharīf, 2004 CE
9. Aḥmad bin Muḥammad bin Qadāmah, al-Mughnī li-Ibn Qadāmah, al-Qāhirah: Maktabah al-Qāhirah, 541-620 AH
10. 'Izz al-Dīn bin 'Abd al-Salām, Qawā'īd al-Aḥkām fī Maṣāliḥ al-Ānām, al-Qāhirah: Maktabah al-Kullīyāt al-Azharīyah, 1411 AH/1991 CE
11. Ibn Rushd, Bidāyah al-Mujtahid wa Nihāyah al-Muqtāṣid, al-Qāhirah: Dār al-Ḥadīth, 2004 CE
12. Yaḥyā bin Sharaf al-Nawawī, al-Minhāj Sharḥ Ṣaḥīḥ Muslim bin al-Ḥajjāj, Bayrūt: Dār Iḥyā' al-Turāth al-'Arabī, 676 AH
13. Muṣṭafā Aḥmad al-Zarqā, al-Madkhal al-Fiqhī al-'Āmm, Dār al-Qalam, al-Ṭab'ah al-Thānīyah, 2004 CE